فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۴۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

(سوال): مندرجہ ذیل دو روایتوں کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

صَلّٰی بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَّأَوْتَرَ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان میں آٹھ تراویح اور وتر پڑھائے۔''

(مسند أبي يعلٰى : 326/2، المعجم الصّغير للطّبراني : 190/1، فتح الباري لابن حَجَر : 12/3)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (1070) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (2409) نے ''صحیح'' کہا ہے۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

إِسْنَادُهٗ وَسَطٌ .

''اس کی سند حسن ہے۔'' (ميزان الاعتدال في نقد الرّجال : 311/3)

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے آج رات ایک کام کیا ہے۔ فرمایا: اُبی! وہ کیا؟ عرض کیا:

میرے گھر کی عورتوں نے کہا: ہم قرآنِ کریم نہیں پڑھی ہوئیں، لہٰذا ہم آپ کے ساتھ قیام کریں گی:

فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ أَوْتَرْتُ، قَالَ : فَكَانَ شِبْهَ الرِّضَا، وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا .

''میں نے انہیں آٹھ رکعت تراویح پڑھائیں، پھر وتر پڑھائے۔ اس بات پر آپ ﷺ نے رضامندی کا اظہار فرمایا۔''

(مسند أبي يعلىٰ : 362/2، زوائد مسند الإمام أحمد : 115/5، المعجم الأوسط للطّبراني : 141/4، قيام اللّيل للمروزي : 217)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (2550) نے ''صحیح'' کہا ہے، حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔(مجمع الزّوائد : 74/2)

جواب: یہ دونوں روایتیں منکر وغیر محفوظ ہیں۔ عیسیٰ بن جاریہ اگرچہ حسن الحدیث ہے، مگر اس کی منکر روایات ہیں، ان روایات کو عیسیٰ بن جاریہ سے صرف یعقوب بن عبد اللہ قمی نے بیان کیا ہے، اگرچہ یہ بھی حسن الحدیث ہے، مگر امام دارقطنی رحمہ اللہ (العلل : ۹۲/۳) نے ''لیس بالقوی'' کہہ کر اشارہ کیا ہے، کہ یہ ''وہم وخطا'' کا شکار ہوجاتا تھا۔ اس کی تائید حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی ہوجاتی ہے:

صَدُوقٌ يَهِمُ . ''صدوق ہے، مگر وہم کا شکار ہوجاتا تھا۔''

(تقريب التّهذيب : 7822)

❀ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عِنْدَهٗ أَحَادِيثُ مَنَاكِيرُ .

''اس کی منکر احادیث ہیں۔''

(تاریخ ابن معین بروایة الدّوري : 4825)

۞ نیز فرماتے ہیں:

حَدِيثُهُ لَيْسَ بِذَاكَ .

''اس کی حدیث قوی نہیں۔''

(تاریخ ابن معین بروایة الدّوري : 4810)

۞ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُنْكَرٌ . ''یہ منکر (الحدیث) ہے۔''

(الضّعفاء والمتروكون : 423)

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس کی روایات کو ''غیر محفوظ'' قرار دیا ہے۔

(الكامل في ضُعفاء الرِّجال : 437/6)

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے عیسیٰ بن جاریہ کی غیر محفوظ روایات میں مذکورہ بالا دونوں روایتوں کو بھی شمار کیا ہے۔

۞ حافظ ابن طاہر مقدسی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ''غیر محفوظ'' کہا ہے۔

(ذخيرة الحُفّاظ : 1194/2)

سوال: کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مراسیل حجت ہیں؟

جواب: دین کا بیشتر حصہ مراسیل صحابہ پر مبنی ہے۔ مراسیل صحابہ حجت ہیں۔ اس پر دلیل صحیح بخاری کی دوسری حدیث ہے، جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پہلی وحی کے احوال بیان کر رہی ہیں، حالانکہ وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، یقیناً انہوں نے یہ حدیث یا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی (اس اعتبار سے یہ مرسل نہیں ہے) یا کسی صحابی کی زبانی سنی ہو

گی، اس لحاظ سے یہ حدیث مراسیل صحابہ میں سے ہے۔

غیر صحابی کی مرسل حجت نہیں، بلکہ یہ ضعیف حدیث کی ایک قسم ہے۔

سوال: کیا خواتین علمائے ربانی سے دینی راہنمائی لے سکتی ہیں؟

جواب: خواتین کے لیے علمائے حق سے دینی راہنمائی لینا جائز ہے۔

❀ اسلم مولیٰ عمر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى السُّوقِ، فَلَحِقَتْ عُمَرَ امْرَأَةٌ شَابَّةٌ، فَقَالَتْ : يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ ....

''میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بازار گیا، تو ایک نوجوان عورت آپ رضی اللہ عنہ کو ملی اور عرض گزار ہوئی: اے امیر المومنین!......۔''

(صحيح البخاري : 4160)

سوال: کیا خواتین گروپ کے ساتھ حج یا عمرہ پر جا سکتی ہیں؟

جواب: اس بارے میں مطلق طور پر اجازت نہیں دی جا سکتی ہے اور نہ روکا جا سکتا ہے، بلکہ حالات اور کیفیات کے اعتبار سے فتویٰ مختلف ہوگا۔

اگر خواتین کا گروپ عمرہ یا حج کے لیے جانا چاہتا ہے اور ان کے ساتھ کوئی صالح انسان چلا جائے، جو ان سے میل جول کیے بغیر ان کی ضروریات کا دھیان رکھے، ان سے الگ رہے، تو اس کی گنجائش ہے۔ یہ ان خواتین کے لیے ہے، جن کے ساتھ محرم نہ ہو، یا محرم کا ساتھ جانا ممکن نہ ہو۔ نیز یہی حکم ان خواتین کا بھی ہے، جن کے شوہر سعودی عرب میں مقیم ہیں اور وہ انہیں ایئرپورٹ پر وصول کر لیں۔

سوال: کیا رو بہ قبلہ ہو کر دعا کرنا مستحب ہے؟

(جواب): دعا کے لیے رو بہ قبلہ ہونا دعا کے آداب میں سے ہے، یہ مستحب و مشروع ہے۔

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

اِسْتَقْبَلَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقِبْلَةَ، ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ .

''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے اور (دعا کے لیے) ہاتھ اٹھائے۔''

(صحيح مسلم : 1763)

❁ سیدنا عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن دیکھا جب نماز استسقا کے لئے نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف کمر مبارک کی اور دعا کرتے ہوئے قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے، اپنی چادر پلٹی اور اونچی قرأت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھائیں۔''

(صحيح البخاري : 1025، صحيح مسلم : 4/894)

❁ سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهٗ لَمَّا دَعَا أَوْ أَرَادَ أَنْ يَدْعُوَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَحَوَّلَ رِدَآءَهٗ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی یا دُعا کا ارادہ کیا، تو رو بہ قبلہ ہو کر چادر پلٹی۔''

(صحيح البخاري : 1028، صحيح مسلم : 3/894)

❁ سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف نکلے، بارش طلب کی، رو بہ قبلہ ہو کر چادر پلٹی اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھی، پھر قبلہ رُخ ہو کر دعا کی۔''

(مسندالإمام أحمد : 41/4، وسندهٗ حسنٌ)

(سوال): کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھوک کی وجہ سے درختوں کے پتے کھائے؟

(جواب): جی ہاں، بعض غزوات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھوک کی وجہ سے درختوں کے پتے بھی کھانے پڑے۔

❁ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُنَا نَغْزُو وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الْحُبْلَةِ، وَهٰذَا السَّمُرُ، وَإِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ، مَا لَهُ خِلْطٌ .

''مجھے یاد ہے کہ ہم غزوہ کرتے تھے اور ہمارے پاس کھانے کے لیے ''حبلہ'' (درخت کا نام) کے پتوں اور کیکر کے درخت کے سوا کچھ نہ تھا۔ ہم میں سے کوئی پاخانہ کرتا، تو وہ بکری کی مینگنیوں کی طرح ہوتا، جو (خشکی کی وجہ سے) ملا ہوا نہیں ہوتا تھا۔''

(صحيح البخاري : 6453، صحيح مسلم : 2966)

(سوال): کیا وضو میں ترتیب شرط ہے؟

(جواب): جی ہاں، وضو میں ترتیب ضروری ہے۔

(سوال): کیا کلمات اذان میں ترتیب ضروری ہے؟

(جواب): جی ہاں، کلمات اذان میں ترتیب ضروری ہے۔

❁ علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ الْأَذَانُ إِلَّا مُرَتَّبًا؛ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ يَخْتَلُّ بِعَدَمِ التَّرْتِيبِ، وَهُوَ الْإِعْلَامُ، فَإِنَّهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُرَتَّبًا، لَمْ يُعْلَمْ أَنَّهُ أَذَانٌ، وَلِأَنَّهُ شُرِعَ فِي الْأَصْلِ مُرَتَّبًا، وَعَلَّمَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا مَحْذُورَةَ مُرَتَّبًا .

''بلا ترتیب اذان درست نہیں، کیونکہ ترتیب کے بغیر اذان کہنے سے مقصود حاصل نہیں ہوتا، اذان کا مقصد (مرتب الفاظ سے) اطلاع دینا ہے، جب الفاظ مرتب نہیں ہوں گے، تو پتہ نہیں چلے گا کہ اذان ہو رہی ہے، نیز اس لیے بھی کہ اذان ابتدا ہی سے مرتب مشروع ہوئی ہے، نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو مرتب اذان کی تعلیم دی تھی۔''

(المغني :438/1)

سوال: کیا کفار کی عورتوں کو دیکھنا جائز ہے؟

جواب: عورت مسلمان ہو یا کافرہ، اسے بری نظر سے دیکھنا جائز نہیں۔ یہ آنکھوں کا زنا ہے، اسلام نے ہر اس عمل سے روکا ہے، جو دل کو پراگندہ کرتا ہے۔ بدنظری سے بھی دل میلا ہوتا ہے۔ دینی و دنیاوی اعتبار سے اس کے برے اثرات کئی کبیرہ گناہوں سے زیادہ ہیں۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكٰى لَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ﴾(النّور : ٣٠)

''(اے نبی!) مؤمن مردوں سے فرما دیجئے کہ وہ (اجنبی عورتوں کے سامنے) نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی محفوظ رکھیں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکی کا باعث ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے۔''

❀ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعُوا أَنَّ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْكَافِرَاتِ فِي تَحْرِيمِ الزِّنَا بِهِنَّ سَوَاءٌ فَكَذٰلِكَ فِي تَحْرِيمِ النَّظْرِ إِلَيْهِنَّ مُتَجَرِّدَاتٍ، فَهُنَّ

سَوَاءٌ فِيمَا أُبِيحَ مِنَ النَّظْرِ إِلَيْهِنَّ فِي حَقِّ الشَّهَادَةِ أَوْ إِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَيْهِنَّ، وَهٰذَا كُلُّهٗ مِنَ الضُّرُورَاتِ الَّتِي تُبِيحُ الْمَحْظُورَاتِ .

''اہل علم کا اجماع ہے کہ عورتیں مؤمن ہوں یا کافرہ، دونوں سے زنا حرام ہے، اسی طرح ان کو برہنہ حالت میں دیکھنا بھی حرام ہے، نیز بعض جائز اُمور میں دونوں کی طرف دیکھا جا سکتا ہے، مثلاً شہادت دیتے وقت یا ان پر حد قائم کرتے وقت۔ یہ سب کچھ ان مجبوریوں میں سے ہے، جن کی وجہ سے کئی ناجائز کام جائز ہو جاتے ہیں۔''

(شرح صحيح البخاري : 240/5)

سوال: زنا کی سنگینی کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: شریعت مطہرہ میں نکاح کو مشروع قرار دے دیا گیا ہے۔ اس میں انفرادی واجتماعی طور پر عافیت ہے، سلامتی کی ضمانت ہے۔ کسی بھی معاشرے کو زنا کے برے اثرات سے پاک کرنے کا واحد حل نکاح ہے۔ نکاح اسلام کا نظام عفت ہے، نیز یہ فطرت بھی ہے۔ نکاح تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔ اس کے بے شمار فوائد ہیں۔

زنا کبیرہ گناہ ہے، اس کا شمار فجور میں ہوتا ہے، یہ بالاجماع حرام ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاءَ سَبِيلًا﴾

(بني إسرائيل : ٣٢)

''زنا کے قریب بھی مت پھٹکو، کیونکہ یہ فحاشی اور برا راستہ ہے۔''

زنا کی وجہ سے انسانوں کا قتل ہوتا ہے، جان کو خطرہ رہتا ہے، دشمنیاں جنم لیتی ہیں۔

قیمتی مال کا ضیاع ہوتا ہے، زنا فساد فی الارض کی قبیح ترین صورت ہے، یہ معاشرے کو متعفن کر دیتا ہے، اس کی وجہ سے زندگی کا سکون عنقا ہو جاتا ہے، شرم وحیا کا جنازہ اُٹھ جاتا ہے، پاکیزگی اور پاکدامنی داؤ پر لگ جاتی ہے، عزت دار خواتین خود کو غیر محفوظ محسوس کرتی ہیں، رشتوں کا تقدس اور حرمت پامال ہو جاتی ہے، زنا کی قباحتوں کو اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا، نیز یہ رسوائی اور جہنم کا راستہ ہے۔

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلٰی تَحْرِیمِ الزِّنَا .

''زنا کے حرام ہونے پر فقہا کا اجماع ہے۔''

(الإجماع : 630)

❁ علامہ ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلزِّنٰی مِنَ الْکَبَائِرِ، وَلَا خِلَافَ فِیهِ .

''زنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔''

(تفسير القُرطبي : 253/10)

❁ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد خطبہ میں فرمایا:

لَا تَشِیعُ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْبَلَاءِ .

''جس قوم میں فحاشی عام ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔''

(سيرة ابن هشام : 318/4، وسندهٗ حسنٌ)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(البداية والنّهاية : 415/9)

(سوال): حدیث: ''اللہ کے ہاں سب سے افضل نماز، جمعہ کی نماز فجر باجماعت ہے۔'' کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

(جواب): یہ روایت شعب الایمان للبیہقی (۲۷۸۳) اور حلیۃ الاولیاء لابی نعیم (۷/ ۲۰۷) میں آتی ہے۔ اس کی سند صحیح ہے، یہ روایت مرفوع اور موقوف دونوں طرح بیان ہوئی ہے، مگر اس کا موقوف ہونا ہی صحیح ہے، جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ (العلل: ۱۳/ ۲۲۸) نے کہا ہے۔ مرفوع بیان کرنا کسی راوی کا وہم ہوسکتا ہے۔ البتہ یہ موقوف روایت مرفوع حکمی ہے، کیونکہ جو بات اس روایت میں کہی گئی ہے، وہ اجتہاد یا رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔

(سوال): فقہائے احناف کی ذکر کردہ روایات کی کیا حقیقت ہے؟

(جواب): فقہا اور اہل رائے نقل حدیث میں معتبر اور محتاط نہیں، ان کی کتب میں ایسی بہت سے روایات ہیں، جو محدثین کے ہاں یا تو بے اصل ہیں یا ضعیف و منکر ہیں، دراصل علم حدیث ان کا میدان ہی نہیں، یہ ہر اس روایت کو دلیل بنا لیتے ہیں، جو ان کے مذہب یا رائے کی تائید کرتی ہے، اس لیے نقل حدیث میں فقہا کی کتب معیار نہیں ہوسکتیں۔

❁ حافظ خطابی رحمہ اللہ (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الطَّبْقَةُ الْأُخْرٰی وَهُمْ أَهْلُ الْفِقْهِ وَالنَّظْرِ فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يُعَرِّجُونَ مِنَ الْحَدِيثِ إِلَّا عَلٰى أَقَلِّهِ وَلَا يَكَادُونَ يُمَيِّزُونَ صَحِيحَهٗ مِنْ سَقِيمِهٖ، وَلَا يَعْرِفُونَ جَيِّدَهٗ مِنْ رَدِيئِهٖ وَلَا يَعْبَؤُونَ بِمَا بَلَغَهُمْ مِنْهُ أَنْ يَحْتَجُّوا بِهٖ عَلٰى خُصُومِهِمْ إِذَا وَافَقَ مَذَاهِبَهُمُ الَّتِي يَنْتَحِلُونَهَا وَوَافَقَ آرَائَهُمُ الَّتِي

يَعْتَقِدُونَهَا وَقَدِ اصْطَلَحُوا عَلٰى مَوَاضِعَةٍ بَيْنَهُمْ فِي قُبُولِ الْخَبَرِ الضَّعِيفِ وَالْحَدِيثِ الْمُنْقَطِعِ إِذَا كَانَ ذٰلِكَ قَدِ اشْتُهِرَ عِنْدَهُمْ وَتَعَاوَرَتْهُ الْأَلْسِنُ فِيمَا بَيْنَهُمْ مِنْ غَيْرِ ثَبْتٍ فِيهِ أَوْ يَقِينٍ عُلِمَ بِهٖ، فَكَانَ ذٰلِكَ ضَلَّةً مِّنَ الرَّأْيِ وَغَبْناً فِيهِ .

''اہل فقہ اور اہل رائے میں سے اکثر ایسے ہیں، جو احادیث کی طرف بہت کم دھیان دیتے ہیں، وہ صحیح، ضعیف اور عمدہ، ردی میں فرق نہیں کر سکتے، جب کوئی (ضعیف) روایت ان کے اختیار کردہ مذاہب اور آراء کے موافق ہو، تو وہ اسے اپنے مخالف پر دلیل بناتے اور کسی قسم کی پرواہ نہیں کرتے۔ انہوں نے ضعیف اور منقطع روایت کو قبول کرنے کے لیے اصطلاحات وضع کر رکھی ہیں، جب وہ (ضعیف روایت) ان کے ہاں مشہور ہو جائے اور بغیر ثبوت اور علم یقینی کے ان کے مابین زبانوں پر جاری ہو جائے۔ یہ رائے کی گمراہی اور دھوکہ ہے۔''

(مَعالم السّنن :3/1)

❁ خطیب ابو بکر بغدادی رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا أَهْلُ الرَّأْيِ فَجُلُّ مَا يَحْتَجُّونَ بِهٖ مِنَ الْأَخْبَارِ وَاهِيَةُ الْأَصْلِ ضَعِيفَةٌ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ بِالنَّقْلِ .

''اہل رائے جن روایات کو (اپنے مذہب پر) دلیل بناتے ہیں، ان میں اکثر و بیشتر کی اصل کمزور ہوتی ہے اور وہ محدثین کے ہاں ضعیف ہوتی ہیں۔''

(الفقیہ والمتفقہ : 151/2)

❁ علامہ انور شاہ کاشمیری صاحب (۱۳۵۳ھ) کہتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنِّي لَمْ أَجِدْ أَتْقَنَ فِي بَابِ النَّقْلِ مِنَ الْمُحَدِّثِينَ، ثُمَّ الْفُقَهَاءُ، ثُمَّ أَهْلُ اللُّغَةِ فَإِنَّهُمْ لَا يَأْتُونَ بِحَدِيثٍ لَا يَكُونُ لَهُ أَصْلٌ فِي كُتُبِ الْحَدِيثِ، وَأَمَّا الَّذِينَ أُشْرِبَتْ قُلُوبُهُمْ فَنَّ الْمَعْقُولِ فَإِنَّهُ تَبَيَّنَ بَعْدَ الْإِسْتِقْرَاءِ أَنَّهُمْ لَا عِلْمَ لَهُمْ بِأَنَّ الْحَدِيثَ مَا هُوَ؟ وَأَنَّ الْبَحْثَ عَنِ الْأَسَانِيدِ مَاذَا؟ وَلٰكِنَّهُمْ إِذَا سَمِعُوا النَّاسَ قَالُوا فِي كَلَامٍ : إِنَّهُ حَدِيثٌ، جَعَلُوا يَقُولُونَ : إِنَّهُ حَدِيثٌ وَإِنْ كَانَ مَوْضُوعًا .

''جان لیجئے کہ میں نے نقل روایت میں محدثین سے زیادہ متقن (مضبوط ومعتبر) کسی کو نہیں پایا، ان کے بعد فقہا ہیں، پھر اہل لغت ہیں، کیونکہ یہ حضرات ایسی کوئی حدیث نقل نہیں کرتے، جس کی اَصل کتب حدیث میں موجود نہ ہو۔ البتہ جو لوگ فن معقول کے خوگر ہیں (ان سے مراد متکلمین ہیں)، تو چھان بین کے بعد یہ بات واضح ہوئی کہ انہیں یہ نہیں معلوم کہ حدیث کیا ہے؟ نیز یہ بھی نہیں معلوم کہ اسانید کی تحقیق کیسے ہوتی ہے؟ بلکہ یہ جب لوگوں کو کہتے سنتے ہیں کہ یہ حدیث ہے، تو یہ بھی کہنے لگ جاتے ہیں: ''یہ حدیث ہے۔'' خواہ وہ من گھڑت ہی کیوں نہ ہو۔''

(فیض الباري :202/1)

سوال: کیا کفن میں سفید رنگ ہونا مستحب ہے؟

جواب: کفن سفید رنگ کا ہونا مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا کفن بھی سفید تھا۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كُفِّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ بِيضٍ يَّمَانِيَةٍ لَّيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَّلَا عِمَامَةٌ.

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سفید یمنی کپڑوں میں کفن دیا گیا، جن میں قمیص تھی، نہ عمامہ۔''

(صحيح البخاري : 1264، صحيح مسلم : 939)

سوال: کیا کبیرہ گناہ سے ایمان ختم ہو جاتا ہے؟

جواب: سلف صالحین، صحابہ و تابعین کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ایمان قول و عمل کا نام ہے، یہ بڑھتا گھٹتا ہے، نیکیوں سے اس میں اضافہ اور برائیوں سے اس میں کمی ہوتی ہے، البتہ ہر برائی سے کمی ایک جیسی نہیں ہوتی، بلکہ بعض گناہوں سے ایمان بالکل ختم ہو جاتا ہے، جیسے شرک، اللہ کو گالی دینا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی وغیرہ، جبکہ بعض گناہوں سے ایمان بالکل ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس میں کمی ہو جاتی ہے، ان میں سے بعض کبیرہ ہیں اور بعض صغیرہ، صغیرہ تو کبیرہ سے بچنے کی وجہ سے معاف ہو جاتے ہیں، لیکن کبیرہ کے لیے توبہ ضروری ہے۔ گناہ ہوتے تو کفر کے شعبہ جات ہی ہیں، لیکن ہر گناہ سے انسان کا فر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) لکھتے ہیں:

''جمہور متقدمین و متاخرین گناہوں کی صغیرہ و کبیرہ پر تقسیم کے قائل ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے، اس پر کتاب و سنت کے دلائل اور سلف و خلف کا عمل واضح ہے۔''

(شرح صحیح مسلم : ۸۵/۲)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

''لیکن ہر شعبہ کفر کے ارتکاب سے آدمی کافر نہیں ہوجاتا، حتی کہ اس میں حقیقت کفر نہ پائی جائے، اسی طرح ہر شعبہ ایمان کی وجہ سے آدمی مومن نہیں بنتا، جب تک اس میں اصل ایمان اور اس کی حقیقت نہ پائی جائے۔''

(اقتضاء الصّراط المستقیم : ۲۳۷/۱)

صحابہ و تابعین کا اجماعی فیصلہ ہے کہ گناہ صغیرہ و کبیرہ دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔

❁ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

اَلذُّنُوبُ تَنْقَسِمُ إِلٰی صَغَائِرَ وَکَبَائِرَ بِنَصِّ الْقُرْآنِ وَالسُّنَّةِ، وَإِجْمَاعِ السَّلَفِ وَبِالِاعْتِبَارِ .

''گناہوں کی صغیرہ و کبیرہ میں تقسیم قرآن، سنت، اجماع سلف اور قیاس سب دلائل سے ثابت ہے۔''

(مَدارج السّالکین : ۳۲۱/۱)

❁ نیز فرماتے ہیں:

قَدْ دَلَّ الْقُرْآنُ وَالسُّنَّةُ وَإِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ بَعْدَهُمْ وَالْأَئِمَّةِ، عَلٰی أَنَّ مِنَ الذُّنُوبِ کَبَائِرَ وَصَغَائِرَ .

''گناہوں کے صغیرہ و کبیرہ ہونے پر دلیل قرآن، حدیث اور صحابہ، تابعین اور پوری امت کا اجماع ہے۔''

(الجواب الکافي : ۱۲۵/۱)

(سوال): کیا قرآن وحدیث میں نسخ ثابت ہے؟

(جواب): نسخ اسلام کا ایک اہم اصول ہے۔ مالک ذوالجلال انسانوں کی ذہنی نشوونما کے مطابق مختلف اوقات میں احکام تبدیل کرتا رہتا ہے۔ یہ اس کی حکمتیں ہیں، جن کی بنا پر اس نے کئی احکام دیئے، پھر تبدیل کر دیئے۔ پہلے قبلہ بیت المقدس تھا، پھر اللہ نے بیت المقدس سے تبدیل کر کے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنا دیا، پچھلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ روا رکھا گیا، مگر ہماری شریعت میں حرام قرار دے دیا گیا ہے۔تو یہ سب نسخ کی صورتیں ہیں، قرآن کی آیات میں بھی نسخ ہوتا رہا ہے۔اس پر اجماع ہے۔

سورت بقرہ (۱۰۶)، سورت رعد (۳۹)، سورت نحل (۱۰۱)، سورت نساء (۱۶۰)، سورت مجادلہ (۱۲) اور سورت اعلیٰ (۶) میں نسخ کا ثبوت موجود ہے۔

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُونَ كُلُّهُمْ مُتَّفِقُونَ عَلٰى جَوَازِ النَّسْخِ فِي أَحْكَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى، لِمَا لَهٗ فِي ذٰلِكَ مِنَ الْحِكَمِ الْبَالِغَةِ، وَكُلُّهُمْ قَالَ بِوُقُوعِهٖ .

''تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اللہ کے احکام میں نسخ بالکل جائز ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں اللہ کی بالغ حکمتیں ہیں، سبھی کہتے ہیں کہ نسخ کا وقوع حق ہے۔''

(تفسير ابن كثير :379/1، تفسير القرطبي : 63/2، وغيرهما)

❁ حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى جَوَازِهٖ وَأَنْكَرَهُ الْيَهُودُ ظَنًّا مِّنْهُمْ أَنَّهٗ بَدَاءٌ كَالَّذِي يَرَى الرَّأْيَ ثُمَّ يَبْدُو لَهٗ وَهُوَ بَاطِلٌ لِأَنَّهٗ بَيَانُ مُدَّةِ الْحُكْمِ كَالْإِحْيَاءِ بَعْدَ الْإِمَاتَةِ وَعَكْسِهٖ وَالْمَرَضِ بَعْدَ

الصِّحَّةِ وَعَكْسِهِ وَالْفَقْرِ بَعْدَ الْغِنٰى وَعَكْسِهِ وَذٰلِكَ لَا يَكُونُ بَدَاءً فَكَذَا الْأَمْرُ وَالنَّهْيُ .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ (شریعت میں) نسخ ہوسکتا ہے، یہود نے اس کا انکار کیا ہے، یہ اپنی جانب سے گمان کرتے ہیں کہ یہ بداء ہے، جیسے کوئی شخص ایک رائے قائم کرے، پھر اسے کوئی اور رائے درست معلوم ہو جائے۔ یہ بات باطل ہے، کیونکہ نسخ کسی حکم کی مدت کا بیان ہوتا ہے، جیسے مارنے کے بعد زندہ کرنا، یا زندہ کرنے کے بعد مارنا، تندرستی کے بعد بیماری یا بیماری کے بعد تندرستی، امیری کے بعد غریبی یا غریبی کے بعد امیری۔ جیسے ان سب امور کو بداء نہیں کہتے، اسی طرح امر اور نہی کو بھی بداء نہیں کہہ سکتے۔''

(الإتقان في علوم القرآن : 67/3)

❁ نیز نقل کرتے ہیں:

إِنْ قِيلَ : كَيْفَ يَقَعُ النَّسْخُ إِلٰى غَيْرِ بَدَلٍ وَقَدْ قَالَ تَعَالٰى : ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا﴾ وَهٰذَا إِخْبَارٌ لَّا يَدْخُلُهُ خُلْفٌ، فَالْجَوَابُ أَنْ نَقُولَ : كُلُّ مَا ثَبَتَ الْآنَ فِي الْقُرْآنِ وَلَمْ يُنْسَخْ فَهُوَ بَدَلٌ مِمَّا قَدْ نُسِخَتْ تِلَاوَتُهُ وَكُلُّ مَا نَسَخَهُ اللّٰهُ مِنَ الْقُرْآنِ مِمَّا لَا نَعْلَمُهُ الْآنَ فَقَدْ أَبْدَلَهُ بِمَا عَلِمْنَاهُ وَتَوَاتَرَ إِلَيْنَا لَفْظُهُ وَمَعْنَاهُ .

''اگر کہا جائے کہ ایسا نسخ کیوں کر واقع ہوسکتا ہے، جس کا کوئی نعم البدل ہی نہ

دیا جائے، اللہ فرماتے ہیں: ''ہم جب کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلوا دیتے ہیں تو اس سے بہتر لے آتے ہیں۔'' یہ آیت ہے جس میں وعدہ خلافی ہو ہی نہیں سکتی۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ اس وقت قرآن میں جو کچھ بھی موجود ہے اور منسوخ نہیں ہوا تو یہ ان آیات کا نعم البدل ہی ہے، جو آیات منسوخ ہو چکی ہیں، اللہ نے قرآن سے جتنا کچھ بھی منسوخ کیا ہے، جسے ہم نہیں جانتے، تو اللہ نے اس کے بدلے میں ہم کو وہ قرآن دیا ہے، جسے ہم جانتے ہیں اور اس کے الفاظ و معانی ہم تک بطریق متواتر پہنچے ہیں۔''

(الإتقان في علوم القرآن : 87/3)

نسخ تین طرح کا ہوتا ہے:

① حکم اور تلاوت دونوں منسوخ جیسا کہ دس رضعات۔

② تلاوت منسوخ اور حکم باقی، جیسا کہ یہ حکم کہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں، تو انہیں رجم کردو۔

③ حکم منسوخ اور تلاوت باقی، اس کی کئی مثالیں ہیں۔

❀ علامہ ابوالعباس قرطبی رحمہ اللہ (۶۵۶ھ) آیت: ﴿مَا نَنسَخ مِن آيَةٍ أَو نُنسِهَا﴾ اور ﴿سَنُقرِئُكَ فَلا تَنسٰى ، إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ کے بارے میں لکھتے ہیں:

هَاتَانِ السُّورَتَانِ مِمَّا قَدْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنْ يُنسِيَهُ بَعْدَ أَنْ أَنْزَلَهُ، وَهٰذَا لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ، قَادِرٌ عَلٰى مَا يَشَاءُ؛ إِذْ كُلُّ ذٰلِكَ مُمْكِنٌ .

وَلَا يَتَوَهَّمُ مُتَوَهِّمٌ مِنْ هٰذَا وَشَبَهِهِ أَنَّ الْقُرْآنَ قَدْ ضَاعَ مِنْهُ

شَيْءٌ، فَإِنَّ ذٰلِكَ بَاطِلٌ؛ بِدَلِيلِ قَوْلِهِ تَعَالٰى : ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ وَبِأَنَّ إِجْمَاعَ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمُ انْعَقَدَ عَلٰى أَنَّ الْقُرْآنَ الَّذِي تَعَبَّدْنَا بِتِلَاوَتِهِ وَبِأَحْكَامِهِ هُوَ مَا ثَبَتَ بَيْنَ دُفَّتَيِ الْمُصْحَفِ مِنْ غَيْرِ زِيَادَةٍ وَّلَا نُقْصَانٍ .

''یہ دوسورتیں وہ ہیں، جن کو نازل کرنے کے بعد ان کو بھلا دینے کا اللہ نے ارادہ کیا ہے، تو یہ بالکل ایسے ہی ہے، کیونکہ اللہ جو ارادہ کرے، وہ کرتا ہے، جو چاہے، وہ کرنے پر قادر ہے، یہ سب ممکن ہے۔ کوئی شخص یہ وہم اور شبہ نہ پال لے کہ قرآن سے کچھ ضائع ہوگیا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں: ''ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔'' اسی پر صحابہ وتابعین وائمہ سلف کا اجماع ہوا ہے کہ جس قرآن کی تلاوت ہم عبادت کے لئے کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں، وہ قرآن ان دو گتوں کے درمیان، بغیر کسی زیادت ونقصان کے موجود ہے۔''

(المُفهِم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم : 94/3)

کیا قرآن غیر محفوظ ہے؟:

بعض مستشرقین اور مستغربین یہ اعتراض اچھالتے ہیں کہ قرآن کریم غیر محفوظ ہے۔ اس میں تغیر وتبدل اور تحریف واقع ہوئی ہے، کئی ایسی آیات ہیں، جو منسوخ ہیں، جن کی پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد بھی تلاوت ہوتی رہی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ تو امم سابقہ میں بھی موجود تھا، محض قرآن پر اعتراض کی تو کوئی وجہ نہیں ہے اور یہ نسخ اللہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ نسخ عہد نبوی میں بھی تھا۔ صحابہ کرام

ناسخ ومنسوخ کی تحقیق رکھتے تھے۔لہٰذا دعویٰ نسخ کوئی نئی بات نہیں۔

نیز نسخ قرآن کی خوبیوں میں سے ہے،قرآن اللہ کا کلام ہے، وہ جب چاہتا اپنے کلام کو اپنے بندوں کے لیے باقی رکھتا، جب چاہتا منسوخ کر دیتا۔ بندوں کو کوئی حق نہیں کہ کلام الٰہی میں نسخ کے حوالے سے تشکیک وارد کریں۔

یہ اسلوب کی حکمت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت میں تھا کہ فلاں حکم فلاں وقت تک موزوں ہے، اسے تب تک باقی رکھا گیا، بعد میں منسوخ کر دیا گیا یا منسوخ کر کے اس سے بہتر حکم نازل کر دیا گیا۔ البتہ بعض جگہ پر حکم کو منسوخ کر کے، اس کی تلاوت کو باقی رکھا گیا ہے، اس پر اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے کہ جب حکم ہی نہ رہا، تو تلاوت باقی رکھنے کا فائدہ؟

تو جواب اس کا یہ ہے کہ تلاوت باقی رکھنے میں بیش بہا حکمتیں کارفرما ہیں، مثلاً؛

① اللہ تعالیٰ کی نعمت کی یاددہانی ہو جاتی ہے، کیوں کہ جن آیات کا حکم منسوخ اور تلاوت باقی ہیں ان میں امت پر تخفیف کی گئی ہے۔

② مومن کی آزمائش ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نسخ والے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے، یا نہیں؟ مومن تو اسے تسلیم کر لیتا ہے اور منافق اور کافر مجادلہ ومخاصمہ کرتا ہے۔

③ ان آیات کی تلاوت بھی عبادت ہے اور اس پر ڈھیروں اجر وثواب ہے۔

④ نسخ عقلاً بھی مانع نہیں۔ ہم اللہ کی بندے ہیں اور وہ ہمارا مالک ہے، لہٰذا مالک جب چاہے، حکم ارشاد فرما دے اور جب چاہے اسے منسوخ قرار دے۔ نسخ تسلیم کرنا عبودیت وغلامی کا حق ادا کرنا ہے۔

⑤ اس سے امت محمدیہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ انہوں نے اتباع کی عدیم النظیر مثال قائم کی ہے کہ اس حکم کو بھی تسلیم کیا، جس کے الفاظ قرآن میں موجود نہیں۔

❁ حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۹۱۱ھ) نقل کرتے ہیں:

إِنَّ ذٰلِكَ لِيَظْهَرَ بِهٖ مِقْدَارُ طَاعَةِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِي الْمُسَارَعَةِ إِلٰى بَذْلِ النُّفُوسِ بِطَرِيقِ الظَّنِّ مِنْ غَيْرِ اسْتِفْصَالٍ لِطَلَبِ طَرِيقٍ مَقْطُوعٍ بِهٖ فَيُسْرِعُونَ بِأَيْسَرِ شَيْءٍ كَمَا سَارَعَ الْخَلِيلُ إِلٰى ذَبْحِ وَلَدِهٖ بِمَنَامٍ وَالْمَنَامُ أَدْنٰى طَرِيقِ الْوَحْيِ وَأَمْثِلَةُ هٰذَا الضَّرْبِ كَثِيرَةٌ.

''نسخ میں یہ بھی حکمت ہے کہ اس سے امت محمدیہ کی کمال اطاعت ظاہر ہوتی ہے، کیونکہ وہ ظن (جسے عقل جھٹ سے تسلیم نہ کرے) سے ثابت ہونے والے حکم پر بھی دل وجان سے کار بند رہتے ہیں، کسی قطعی حکم کی تفصیل طلب نہیں کرتے۔ وہ ادنی سے اشارے پر لپک جاتے ہیں، جیسا کہ سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام خواب کی بنا پر اپنے لخت جگر کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے، جبکہ خواب وحی کا ادنی ترین ذریعہ ہے۔ اس کی کئی ایک مثالیں موجود ہیں۔''

(الإتقان في علوم القرآن: 72/3)

مزید معلومات کے لیے تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ مفید رہے گا۔

سوال: ترکہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: مرنے والا اپنی ملکیت میں جو مالیت چھوڑتا ہے، اسے ترکہ کہتے ہیں۔